© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

(یہ تحریر جس اخلاص اور دردمندی سے لکھی گئی ہے، کاش کہ اسی طرح کے ذہن سے اسے پڑھا جائے) (ن۔ ص)

آپ اگر کسی جزیرے میں رہتے ہوں اور زبردست طوفان یکایک اٹھے جو سمندر کے پانی کو خشکی پر چڑھا لائے، یہاں تک کہ پانی کا بیس تیس فٹ اونچا ریلا آپ کی بستی کی طرف بڑھنے لگے تو کیا ایسی خوفناک گھڑی میں آپ میکدوں میں ساغر اچھالیں گے، کلبوں میں ڈانس کا انتظام کریں گے، کوٹھے کی چھت پر قماربازی کے لیے پال جمائیں گے۔ اور خفیہ برآمد کے لیے ہیروئن کی پیکنگ کریں گے؟

اگر خدانخواستہ آپ کے محلے میں آگ بھڑک اٹھے اور خود آپ کے بھی مکان کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے تو کیا ایسے میں آپ اپنے صحن میں سیاسی تصادم یا فرقہ وارانہ جھگڑوں کا دنگل جانا مناسب سمجھیں گے؟

اگر بستی میں مسلح ڈاکو باچھاپہ مار گھس آئیں اور فائر کر کر کے مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کر رہے ہوں اور وہ ایسی لوٹ مچائیں کہ چاروں طرف دہشت چھا رہی ہو تو کیا آپ یہ مناسب خیال فرمائیں گے کہ دوڑنے بھاگنے والوں کی جیبیں رشوت کی قینچی سے کاٹی جائیں؟

کشتی اگر بھنور میں گھر کر ہچکولے کھانے لگے تو کیا موقع کے لحاظ سے صحیح رویہ یہ ہوگا کہ آپ ریڈیو یا ٹیلی وژن سے موسیقی کی دھنیں چھیڑ کر سر دھننے لگیں؟

خدانخواستہ آپ کے کارخانے کو آپ کے دشمنوں کا ایک جتھا آ کر گھیر لے تو کیا یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



قابلِ تصور رہے کہ آپ کے کارخانے کے اندر صوبائی تعصب کے جذبوں سے افسر اور کارکن ایک دوسرے کو ہلاک کرنے میں لگ جائیں؟

آپ بر قائمیٔ ہوش و حواس متذکرہ صورتوں میں سے کسی کو بھی درست قرار نہیں دیں گے۔

---

اب ذرا اشاروں اور مثالوں کا پردہ ہٹا کر اپنی قومی و ملکی زندگی کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیجیے۔

ہمارے شمال مغربی جانب ایک سپر پاور نے ہماری ایک برادر مُسلم قوم کی آزادی پہ اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں، لیکن عوام اس درندگی کے خلاف فوجی نظم، مؤثر اسلحہ اور رسد و مدد سے محروم ہونے کے باوجود معرکہ آرائی کا ایک ولولہ انگیز اور عبرت ناک باب تاریخِ انسانیت میں اپنے لہو کی روشنائی سے لکھ رہے ہیں۔ وہ اپنے گھروں کے ملبے اور اپنے باغوں اور فصلوں کی راکھ اور اپنی خون میں نہائی ہوئی لاشوں سے بارود، آگ اور زہریلی گیسوں کے سیلاب کے سامنے اب تک ناقابلِ شکست بند باندھے ہوئے ہیں۔ سُرخ سُپر پاور کی پوری تاریخِ استعمار میں پہلا موقع آیا ہے کہ ایک چھوٹی سی نہتی قوم نے چار سالہ مقاومت میں اسے ناکوں چنے ہی نہیں چبوا دیے، چٹانیں چبوا دی ہیں۔

مگر ہماری سرحد کے اُس طرف جو جہاد برپا ہے اور جو خون خرابہ ہو رہا ہے اُسے ہم نے نہ سنجیدگی سے غور کا مستحق سمجھا اور نہ اُس کے ممکناتِ مابعد کا کوئی تصور باندھا۔ ہم نے صرف افغانستان کے بلاکشوں کے کنبوں کو پاکستان میں پناہ دے کر (اور کبھی کچھ امدادی چندے اور کپڑے اور دوائیں دے کر) یہ سمجھ لیا کہ بس حکومت اور عوام پر جو فرض عاید ہوتا تھا وہ ادا ہو گیا۔ اِس میں بھی کچھ اختلافی سوچ رکھنے والوں اور کچھ بدگمانوں نے یہ نکال لی کہ مہاجرین بڑے خوش حال لوگ ہیں اور یہاں رہنے کے مستحق بھی نہیں ہیں اور اُن کو رکھنے کی وجہ سے ہم رُوس کی ناراضگی کا ہدف بن سکتے ہیں۔ گویا اگر مہاجرین کو نکال دیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے اور افغانستان پر روسی تسلط کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر پاکستان کو کوئی خطرہ نہیں۔ حالانکہ افغانستان روسی فتح کا پہلا پڑاؤ ہے۔ جہاں سے ایک طرف پاکستان کی جانب اور دوسری طرف پٹرولی ممالک کی جانب سارا فاصلہ دو قدم کا ہے۔ یہ دو قدم آج نہ طے ہوئے تو دو چار سال بعد سہی!

مختصر یہ کہ ایک استعماری سپر پاور ہمارے سر پر آ پہنچی ہے اور پے در پے ہمارے علاقوں پر بمباری کر کے وہ انتباہ دے رہی ہے کہ ہمارا سامنا نہ کرو اور ہماری پالیسیوں کی حمایت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ، ورنہ افغانستان کی طرح تمہارے خلاف بھی جارحیت ہو سکتی ہے جس کے دو دو ہاتھ ہم نے دکھا دیئے ہیں۔

یعنی ایک حویلی میں لوٹ مچانے والا حملہ آور کہہ رہا ہے کہ ہمارے خلاف آواز نہ اٹھاؤ، اس حویلی سے جان بچا کر نکلنے والوں کو پناہ نہ دو، ورنہ تمہاری حویلی کی بھی خیر نہیں اور اگر شور نہ کریں اور کسی کو پناہ نہ دیں تو بھی جس دستور و اخلاق کے تحت برابر والی حویلی لٹ رہی ہے وہی دستور و اخلاق ایک دن ہمیں بھی نشانہ بنائے گا۔

خیر تو ادھر کی سرحد پر کھلے حملے ہو چکے ہیں، اور ساتھ کے ساتھ ہمارے معاشرے کے اندر بھی پروپیگنڈے اور افواہوں اور نظریاتی محاذ پر بھی ہمارے خلاف کام ہو رہا ہے نیز تربیت یافتہ تخریب کار بھی یہاں داخل ہو چکے ہیں جن کی سرگرمیوں سے دو نتیجے مطلوب ہیں: ایک یہ کہ خود مہاجرین کے خلاف نفرت پھیلے کہ چونکہ افغانستان سے آنے والے ہی ہنگامے اٹھا رہے ہیں، لہٰذا وہاں سے آمدہ تمام لوگ ناقابلِ اعتماد ہیں۔ دوسرے یہ کہ عام لوگوں میں دہشت پھیلے اور ان کا اضطراب حکومت کو مجبور کر دے کہ وہ روس کے پاؤں پکڑ کر نجات کی کوئی صورت پیدا کرے۔

مزید برآں، ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ ہونے والے انتخابات میں حامیانِ روس کی پروپیگنڈا مشینری بھی اپنا کام زور و شور سے کرے اور ایسے افراد بھی اقتدار تک پہنچنے کے لیے کوئی خوشنما نقاب چہرے پر ڈال کر انتخابی کشمکش میں شریک ہو جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب لیجیے جنوبی اور جنوب مشرقی سرحد کو، اس سرحد پہ جھڑپیں بڑھ گئی ہیں۔ لداخ کی جانب سرحد کے آخری حصے میں بھارتی فوج نے ایک زوردار حملہ کیا اور کشمیر کی کنٹرول لائن کو توڑ کر پاکستانی علاقے میں واقع گلیشیئر کے بہت بڑے رقبے پر قبضہ جما لیا ہے — تازہ خبروں کے مطابق چین کی جانب کا مزید رقبہ بھارت کے پاس چلا گیا ہے۔ اس مقام سے شاہراہ ریشم بھارت کی زد میں آجاتی ہے۔ جب کہ اس کے سرپرست حلیف روس نے شاہراہ کی دوسری جانب واخان کی پٹی پہ قابو پالیا ہے۔ چین پاکستان رابطے کی شاہ رگ کے دونوں جانب نشترِ زہرآگیں رکھے ہیں۔

ادھر بھارت کی فوج بھاری تعداد میں پاکستانی سرحد کی ملحقہ چھاؤنیوں میں آچکی ہے اور خطِ سرحد کے قریب بھی ان کی نقل و حرکت ہوتی رہتی ہے۔ آج کی یہ خبر بھی قابلِ توجہ ہے کہ بھارت نے مگ ۲۳ نامی لڑاکا بمبار طیاروں کو پاکستان سے ملحقہ اڈوں پر منتقل کر دیا ہے اور ۴۰ طیاروں پہ مشتمل دو اسکواڈرن جودھپور کے ایڈوانس بیس پر رکھے گئے ہیں۔ اس طرح پاکستان کے تمام اہم مقامات کو زد میں لینے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔ روس سے جدید مہلک ترین اسلحہ کے انبار کے انبار قسط در قسط چلے آرہے ہیں۔ بھارت کی اپنی فیکٹریاں ہلکے اور بھاری اسلحہ کے انبار لگا رہی ہیں۔ ہماری ایٹمی تجربہ گاہ جو کہوٹہ میں ہے، اس پہ اسرائیل کے اشتراک سے بھارت کی طرف سے ناگہانی حملہ کرنے کا اعلانِ عام سامنے آچکا ہے۔ سندھ میں بھارت مقامی ہندو آبادی اور سیکولرسٹ دانشوروں کے ذریعے پاکستان کے خلاف اپنا لٹریچر اور پروپیگنڈا پھیلا رہا ہے اور آدمی گھسا رہا ہے[1]۔ جس کے زیرِ اثر نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ ایک تعلیمی مرکز میں پاکستان کا جھنڈا لگانے والوں کے

---

[1] مبینہ طور پہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہماری سندھی یونیورسٹیوں میں بھارت سے جعل سازیاں کر کے ہندو نوجوان آتے ہیں اور ہمارے خرچ پہ ڈاکٹری اور دوسرے علوم کی تحصیل کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ سانحے سامنے آتے رہتے ہیں۔ سندھ کی ہندو آبادی کے لیے کوئی نظم یا کنٹرول اور ضروری ریکارڈ کے ہونے نہ ہونے کا ہمیں علم نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف مخالفین نے خون ریزہ بلوہ کیا اور جھنڈا انہیں لگ سکا۔ کچھ حادثے ایسے ہیں جن کا ذکر کرنا ہمارے لیے مناسب نہیں۔ اسکیم یہ ہے کہ سندھ کو بھارت خراب کرے اور بلوچستان میں روس نقب لگائے اور وقت آنے پر پنجاب کو ایک طرف رکھ کر سندھ اور بلوچستان کو الگ کاٹ لیا جائے۔ اس پروگرام کے لیے پیدل فوج، ٹینکوں اور آرمرڈ کاریوں توپ خانوں، فضائی اور بحری قوت میں تیزی سے اضافہ کیا جا رہا ہے۔

ان فوجی سرگرمیوں کے پیچھے اندرا گاندھی[1] کا ذہن اس طرح کام کر رہا ہے کہ بھارت کے مختلف علاقوں میں جو مخالفانہ سیاسی طوفان اُٹھ رہا ہے اُس کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لیے ہندو سلطنت کی نگاہوں میں پاکستان کو ہوّا بنا دیا جائے اور موقع ملتے ہی کوئی جنگی اقدام کر ڈالا جائے۔ اس سلسلے میں شور برپا ہے کہ پاکستان نے بہت اسلحہ جمع کر لیا ہے اور یہ بھارت کے خلاف استعمال ہونے ہی والا ہے۔ پاکستان کی طرف سے یہ آخری چارۂ کار تھا کہ اُس نے ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیش کش کر دی۔ مگر بھارتی ڈپلومیسی نے اس پیش کش کو اپنے پروپیگنڈے کی گرد میں بالکل دفن کر دیا۔ اب بھارت کے اندرونی پروپیگنڈے کے ساتھ ساتھ مغرب میں عالمی سطح پر پاکستان کے مسلح ہونے کے خلاف اور جوہری توانائی پر کام کرنے کے خلاف پے در پے طوفان اُٹھائے جاتے ہیں۔ اور دوسری طرف ڈپلومیٹک حلقوں میں اسرائیلی ماہرین کے تعاون سے پاکستان کے لیے امداد اور اسلحہ کی ترسیل کو رکوانے کے لیے کسی قدر ظاہراً اور زیادہ تر باطناً پُرزور کام کیا جا رہا ہے۔

---

اس طوفانِ برق و ژالہ میں گھرے ہوئے ہمارے قافلۂ قوم کے احوال و مشاغل پر بھی سرسری نظر ڈال لیجیے۔

جرائم کا یہ حال کہ مسلح افراد دن دہاڑے بڑے بڑے شہروں کے پُررونق علاقوں میں بنکوں اور جوہریوں کی دکانیں لوٹ کر بآرام گاڑیوں پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ شاہراہوں پر ٹرکوں

---

[1] اشارات کی کتابت مکمل ہونے کے بعد پریس کو بھیجتے ہوئے یہ اطلاع ملی کہ اندرا گاندھی پر قاتلانہ حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکیں۔ ہندو قوم اور اندرا گاندھی کے خاندان کو جو صدمہ پہنچا ہے اس پر ہم اظہارِ ہمدردی کرتے ہیں۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسوں اور کاروں کو ڈاکوؤں کی ٹولیاں آئے دن لوٹتی رہتی ہیں۔ کہیں عورتوں کے کپڑے نوچ کر ان کو بازاروں میں ننگے پھرایا جاتا ہے اور کہیں خواتین کے ناموس کبھی گھروں میں گھس کر، کبھی تھانوں اور حوالاتوں میں اور کبھی کسی ڈاکٹر کے کلینک یا آپریشن تھیٹر میں لوٹ لیے جاتے ہیں۔ ایک تازہ اخباری رپورٹ کے مطابق جیل جانے والے نوجوان مجرموں کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ جرم کی شیطانی قوت نے انسدادِ جرم کے مراکز میں آشیانے بنا لیے ہیں۔ کتنے ہی پولیس کارکنوں کے خلاف پچھلے دنوں کارروائیاں کی جا چکی ہیں اور ان سے کہیں زیادہ ایسے بھی ہوں گے جو گرفت میں نہیں آسکے۔ پولیس میں کوئی رپورٹ درج کرانے جائیے یا تفتیش کے لیے کسی کو گرفتار کر کے لے جایا جائے، بالعموم سب نذرانہ پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں[1] باقی رہا ناشائستہ سلوک سو وہ "خدمتِ عام" ہے۔ خلیجی ممالک میں جانے کے حریص افراد سے چالاک لوگ روپیہ اینٹھ کر ان کو جعلی پاسپورٹ اور ویزے فراہم کرتے ہیں جس کے تلخ نتائج اندھے طالبانِ دولت کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ کالجوں اور درس گاہوں میں یونینوں پر پابندی کے بعد بھی غنڈہ گردی ہوتی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خرابی کا اصل سبب یونینز نہیں تھیں۔ منشیات کی برآمد اور منشیات کی ناجائز طریقوں سے درآمد بڑھ رہی ہے۔ جعلی مہروں کے ساتھ مصنوعات اور ان کے پرزے دستیاب ہیں اور وہ مارکیٹ میں اس طرح گڈمڈ ہیں کہ کسی عام خریدار کے لیے یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اصل کونسی ہے اور نقل کونسی۔ نوجوانوں میں نشہ بازی (خصوصاً ہیروئن سے لذت اندوزی) کی وبا تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ایک طرف سے شراب بندی کی کوشش ہے تو شیطان نے دوسری طرف ایک نیا راستہ کھول دیا ہے جس پر گرفت کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں۔

بسوں اور ویگنوں نے الگ اپنی مصیبتیں پیدا کر رکھی ہیں۔ بوریوں کی طرح آدمیوں کا

---

[1] کراچی کے حالیہ ہنگاموں کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ مبینہ طور پر پولیس نے گلیوں میں گھس گھس کر بہت سے بے گناہ شہریوں کو پکڑ لیا ہے اور ان سے سودے کر کر کے اُن کو چھوڑا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نذر مٹھنا اور بندروں کی طرح لٹکنا ایک طرف، ڈرائیوروں اور کنڈکٹروں کی بدسلوکیاں دوسری طرف، ٹیپوں سے واہیات گانے سنوانے کی نشامت تیسری طرف، اور حادثات کے ذریعے خاندانی منصوبہ بندی بذریعہ قتل چوتھی طرف۔

یہ ہے حال اس قوم کا جس کے لیے جانے کہاں کہاں چھریاں تیز ہو رہی ہیں۔

پستی کا ایک پہلو یہ ہے کہ شہروں میں بازارگردی، آوارہ خرامی، تفریحی پارکوں میں بدتمیزی کی رو بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ شور و غوغا بہتات، بدنظمی و بےترتیبی عام، بسوں اور ویگنوں میں سفلہ پن کے تماشے معمول، اور غلاظت اور کوڑا سڑک سڑک اور گلی گلی کی زینت ہے۔ کہیں گٹر اُبل رہے ہیں اور کہیں سرِعام گلیوں کو گھر کا بیت الخلا سمجھ کر تہذیب و شائستگی کو پیشاب سے نہلایا جا رہا ہے۔

نئے دور کے "ٹیلی وژن زدہ" بچے گلی گلی ہاکی اور کرکٹ کی گراؤنڈیں بناتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ شور شرابہ اور گالم گلوچ اور ضرورت پڑے تو آپس میں مار دھاڑ کا ڈراما بھی کر لیتے ہیں۔ کبھی کرکٹ کی گیند کسی کا کلا پھوڑتی ہے، کبھی کسی کی عینک توڑتی ہے اور کبھی کسی گاڑی کا شیشہ کرچی ہو جاتا ہے۔ پتنگ بازی کا زمانہ ہو تو پھر بانسوں پر بندھے جھا نجھڑ ہاتھوں میں لیے اور نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھائے یہ بچے سڑکوں پر ٹریفک کے لیے آفت بنتے ہیں اور گلیوں میں راہگیروں سے ٹکراتے ہیں۔ چھتوں پر ہوں تو پردے کا لحاظ اور نہ کسی کی گھریلو پرائیویسی محفوظ!

یہی بچے دس بارہ سال کی عمر میں کہیں کاریں اور کہیں سکوٹر اس حال میں بھگاتے نظر آتے ہیں کہ کبھی کبھی سکوٹروں پر چار چار سواریاں لدی ہوتی ہیں، جن میں ایک آدھ ایستادہ بھی ہوتی ہے۔ کہیں درختوں پر لٹک لٹک کر ان کی ٹہنیاں توڑتے ہیں، کہیں پبلک مقامات سے یا دوسروں کے بیرونی پائیں باغوں سے پھول توڑتے ہیں۔ کہیں سڑکوں اور دیواروں پر چاک یا کوئلے سے لٹریچر یا مصوری کے شاہکار ثبت کرتے ہیں۔ کوئی گاڑی کھڑی دیکھی تو اسے چھیڑنے لگے، کسی کا سائیکل ہتھے چڑھا تو اُس کو انجینیری کا نشانہ بنا لیا۔ دن کا پچھلا پہر بیرونِ خانہ کے کھیل کود میں بسر کیا۔ اور شام کے بعد دو تین گھنٹے کے لیے ٹیلی وژن کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زانوئے ادب تہ کرلیا۔ ان کے حرکات و مشاغل کو دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کے ماں باپ بھی ہیں۔ اور کبھی کسی نے ان کی حرکات و سکنات پر نظر رکھی ہے اور انہیں کوئی نصیحت یا تادیب کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ "ٹیلی ویژن زدہ" بچوں کے سامنے ماں باپ کی چلتی ہی نہیں۔ وہ بیچارے دم سادھے نئی نسل کی ترقیات کو دیکھتے رہتے ہیں، بلکہ اکثر ان کی بے راہ روی پر خوش بھی ہوتے ہیں۔ میں نے تو ایسے مناظر بھی دیکھے ہیں کہ تین تین برس کے بچوں کو نرسری اسکولوں میں پھینک کر ماں اور باپ اس طرح بھاگتے ہیں کہ جیسے ان کے سر سے بلا ٹلی۔ ایسے لوگوں کی اولادیں عقلی و معاشی حیوانات کے علاوہ کیا بنیں گی؟

معاشرے کا عام حال یہ ہے کہ اب نہ بزرگوں کا ادب ہے، نہ چھوٹوں کے لیے شفقت۔ استاد اور شاگرد کا تعلق خراب ہو چکا ہے۔ اکثر لوگ دیوار بیچ کے پڑوسی سے کوئی تعارف نہیں رکھتے۔ ایک دوسرے کے لیے ہمدردی کم ہوتی جا رہی ہے اور ایک دوسرے کے کاموں میں مدد کا جذبہ مدھم پڑتا جا رہا ہے۔ کجا یہ کہ کوئی کسی کے لیے ایثار دکھائے۔

پھر زندگی میں مرکزی حیثیت دولت کو حاصل ہو گئی ہے جس کے سامنے نہ علم کی وقعت ہے، نہ ادب کا مرتبہ، اور نہ خلق و شرافت کی کوئی قیمت، نہ سیاسی کارکنوں کی بے لوث خدمات کے لیے کوئی اعتراف۔ انسانیت کی زرق برق حسین قدروں کا جمال ماند پڑ گیا ہے۔ ہر کوئی دولت کی اڑتی ہوئی سنہری اور روپہلی پریوں پر نظریں جمائے بھاگ رہا ہے۔ معیارِ زندگی کی مختلف بلند اور بلند تر چوٹیوں پر چڑھائی کا ہلہ ہے۔ دولت ہے تو سماجی مرتبہ بھی ہے اور سیاسی وقعت بھی۔ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ دولت کی ہوس اسراف و تبذیر کو ساتھ لاتی ہے۔ دولت کے ساتھ نمائشِ دولت کا شوق بڑھتا ہے۔ فیشن اور میک آپ کی وبائیں پھیلتی ہیں۔ اب حال یہ ہے کہ غریب سے غریب آدمی بھی تقریبوں کے ذریعے اپنے قد کو اونچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور قرض لے کر بھی 'گھر پھونک تماشہ دیکھ' کے مناظر سامنے آتے ہیں۔ حصولِ دولت کے اندھے جنون نے حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے فرق کا احساس ختم کر دیا ہے۔ مال چاہیے، خواہ رشوت سے ملے یا سود سے، لوٹ مار سے یا مکر و فریب سے۔ بس یہی معراجِ انسانیت ہے۔ کوئی اصول نہیں، مقصد نہیں، نصب العین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں، دینی دعوت یا مشن کی کوئی مصروفیت نہیں، قومی خدمت کا کوئی پروگرام نہیں، سیاسی لحاظ سے مفید سرگرمیوں کے لیے تگ و تاز نہیں، علم و تحقیق کی دلچسپی نہیں، سائنسی میدان میں ایجاد و اختراع نہیں، دفاعی ضرورتوں کے لیے جسمانی مشقوں اور تنظیمی سرگرمیوں اور معلوماتی پروگراموں کا کوئی اہتمام نہیں، تعلیمِ بالغاں کے کام کا شوق نہیں، حتیٰ کہ گلیوں کی صفائی اور محلہ کی بہبود کے لیے کسی جگہ لوگوں میں کوئی حرکت نہیں۔

یہ ہے اس قوم کا حال جس کو وقت کے ایک بھاری چیلنج نے دو طرفوں سے گھیر رکھا ہے اور مصیبت و بلا کے لشکر تلے کھڑے ہیں۔

---

سیاسی حالات پر نظر ڈالیں تو ہماری کتابِ آزادی سے جمہوریت کا جو ناتمام باب ۱۹۵۸ء سے نکال لیا گیا، نہ اس کے اوراق بحال کیے جاسکے اور نہ اُسے ازسرِنو لکھا جاسکا۔ ایک دھندلی سی اُمید لگی ہے کہ شاید ۱۹۸۵ء میں جب کہ ۵۸ء کا ہندسہ اُلٹ جائے گا، انتخابات کا دروازہ کھل جائے۔ ۲۷ سال کے اس لمبے عرصے میں جماعتوں کو اس بری طرح کچلا گیا اور سیاسی اکابر کی اتنی کردارکشی ہوئی کہ اب یوں لگتا ہے کہ اب سارے حدیقۂ سیاست میں کہیں کوئی ایک بھی سرو و صنوبر موجود نہیں ہے۔ ہر طرف فقط سبزۂ بیگانہ لوٹ پوٹ ہو رہا ہے۔ کوئی ملک جب اس طرح سیاسی لیڈروں کی ٹیم سے محروم ہو جاتے اور جماعتوں کے کارکن پس پچک جائیں تو عوام کی تنظیم اور تربیت کا کام تباہ ہو جاتا ہے۔ محض حکم و قانون اور بیوروکریسی اور پولیس کے ذریعے اس کمی کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ سیاسی طور پر جس قوم کے افراد تنظیموں کے بندھن سے آزاد ہو کر بکھر جائیں وہ کسی بڑے چیلنج کا مقابلہ آسانی سے نہیں کر سکتی۔

ملک گیر جماعتیں مختلف برادریوں اور صوبوں کے اندر نفوذ کرکے وحدت پیدا کرتی ہیں اور جن علاقوں یا طبقوں میں شکایات پائی جاتی ہیں، ان کے بارے میں اپنے کارکنوں کی رپورٹوں سے آگاہ ہوتی ہیں جن کو عوام کے مختلف عناصر سے قریب رہنے والے افراد تیار کرتے ہیں۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائز امور میں اُن کی ترجمانی اور ان کے ازالۂ شکایات اور اُن کی حقوق رسانی کے لیے آواز اٹھا کر ملک و قوم کے مفاد کے خلاف جانے سے روک کر اُن کو اپنے ساتھ ملاتی ہیں۔

ہماری ایک سیاسی مصیبت یہ ہے کہ دستور کے معاملے میں شطرنج کے مہروں کی طرح بار بار ایک خانے سے دوسرے میں منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔ پہلے ایک بار دستور ۵۶ء پر قوم مطمئن ہوئی۔ سو اسے دورِ ایوبی نے ختم کر کے بنیادی جمہوریت کے تصور پر مبنی دستور ۶۲ء نافذ کیا۔ پھر اگلے دور میں وہ ختم ہوا اور دستور ۷۳ء پر قوم متفق ہو گئی۔ نیا مارشل لا آیا تو پھر اگرچہ وہ دستور ابھی پوری طرح ختم نہیں کیا گیا۔ مگر اس کے مرکزی تصورِ حکمرانی کو یکسر بدل کر اسلام کی ایک تعبیر جدید کے تحت "شورائی کریسی" کا ایسا نظریہ پیش کر دیا گیا جس کا مدعا مغربی جمہوریت کی خرابیوں سے ملک کو بچانا بتایا جاتا ہے مگر دوسری طرف یہ تصور آمریت کا راستہ کھولتا ہے۔ جس پر صدر ضیاء اگر نہ بھی چلیں تو بعد میں کوئی سلطان ظلِّ الٰہی کے پر لگا کر آپہنچے گا اور اس کے لیے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی۔

سیاسی جماعتوں کو کالعدم کر کے یہ سمجھنا کہ اب یک جماعتی نظام کے حالات پیدا ہو گئے ہیں، شدید غلط فہمی ہے۔ لوگ یک جماعتی نظام یا لاجماعتی نظام کا فرق نہیں سمجھتے۔ اس نافہمی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کو نمونہ بنا کر کہتے ہیں کہ وہاں تو ایک ہی جماعت تھی۔ قطع نظر اس سے کہ اس جماعت کے ساتھ یہود و مشرکین کی جماعتیں بھی مدنی دور میں شریکِ نظمِ ریاست ہو گئیں اور خود اس جماعت کے اندر اُصولوں پر متفق رہنے کے باوجود مہاجرین و انصار کے فرق کے علاوہ مفاد و مصالح کے لحاظ سے مختلف گروپ موجود تھے۔ وہاں جو جماعت تھی اس کے لیے ایک ایک فرد کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ راست دعوت دے کر جمع کیا تھا۔ اور پھر ان کو دینی تعلیم و تربیت بھی دی، نظم میں بھی پرو دیا اور اُن کو اقامتِ دین کے نصب العین پر شعوری طور پر متحد کیا۔ آج ملّت کے مختلف الخیال اور مختلف العمل افراد کو رسول اللہ کی طرح دعوت دیئے بغیر اور تربیت سے گزارے بغیر اور نظم میں پروئے بغیر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ یہاں ویسی ہی ایک متحد و منظم اور تربیت یافتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت موجود ہے، جس کے بل پر یک جماعتی نظام چلایا جا سکتا ہے۔ یک جماعتی نظام متفرق افراد کے بل پر نہیں چلتا اور نہ متفرق افراد کو جماعت قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہاں کی مسلم قوم تو واحد قوم ہے، مگر اس واحد قوم کی واحد جماعت موجود نہیں۔ گویا یک جماعتی نظام کے علمبردار دراصل ہمیں متفرق افراد کے بل پر قائم ہونے والے لاجماعتی نظام کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یک جماعتی نظام میں اگر آمریت کے اُبھرنے کے مواقع ساٹھ ستر فیصد ہیں تو لاجماعتی نظام میں سو فیصد[۱]!

سیاست کے چرخِ گرداں کا ستم یہ ہے کہ سیاسی حقائق اور اسلام کے سیاسی اُصولوں اور فارمولوں کے متعلق برسوں کی کاوشوں سے دینی حلقوں کا جو ذہن بن چکا تھا، اُسے پل بھر میں اُدھیڑ دیا گیا ہے۔ اب ہر چیز متنازعہ فیہ اور مشتبہ بن گئی ہے۔ مختلف افراد ـــ کہیں بڑے اور کہیں چھوٹے ـــ تحریر و تقریر میں ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں جو پچھلے تیس سال سے نہیں کہی گئیں۔ سیاسی نقطۂ نظر سے پوری قوم میں عموماً اور دینی حلقوں میں خصوصاً اتنا انتشار و افتراق واقع ہو چکا ہے کہ اب لوگوں کا مل کر چلنا تو کجا، مل بیٹھنا بھی ممکن نہیں ہے، کیونکہ وحدتِ فکر کا رشتہ ہی ٹوٹ چکا ہے۔ یہ منطقی نتیجہ ہے سیاسی خلا کے جاری رہنے اور سیاست کو قابلِ نفرت قرار دینے کا۔

خرابی سیاست میں خود سیاسی لیڈروں کا بھی بڑا حصہ ہے۔ یہ حضرات اُصولوں

---

[۱] نام کے یک جماعتی نظام کے پردے میں جو لاجماعتی نظام پسند کیا جا رہا ہے، اس میں فرد فرد اس طرح الگ ہوگا جیسے کسی مشین کے پرزے کھول کر رکھ دیے جائیں۔ جماعتیں اپنے نظریات اور پروگراموں پر متفق ہونے والے شہریوں کو جمع کرتی ہیں اور کئی کئی لاکھ افراد کے چند یونٹ بن جاتے ہیں، جن کی کوئی سوچی سمجھی رائے ہوتی ہے اور جسے ان کے لیڈر بیانوں اور قراردادوں کے ذریعے سامنے لاتے ہیں۔ اس طرح آبادی میں پائے جانے والے نقطہ ہائے نگاہ اور ان میں سے ہر ایک کے حامیوں کی قوت کا اندازہ رہتا ہے۔ یہ نہ ہو تو ہر چیز مبہم ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سیاست سے بڑھ کر "مواقع" کی سیاست پر کاربند رہے ہیں۔ اگر کسی اُصول و مقصد کا دعویٰ کرتے ہیں تو اس کے مطابق اپنا اور اپنی جماعت کا کردار نہیں بنا سکے۔ اُنھوں نے پیروکار تو جمع کیے مگر ان کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا سامان نہ کر سکے، بلکہ جو درج رجسٹر ہو گیا، سو ہو گیا۔ کوئی اِدھر سے ٹوٹ کر اُدھر چلا گیا، کوئی اُدھر سے ٹوٹ کر اِدھر آ گیا، اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ہے۔ نہ اِدھر کوئی خاص سانچہ ہے، نہ اُدھر کوئی ممیز ڈیزائن۔

پھر یہ لیڈر حضرات بار بار ایسے تجربے کرتے ہیں جو ایک دوسرے سے متضاد ہوتے ہیں۔ پہلے قومی اتحاد بنا جس کے خاص مقاصد تھے اور خاص مزاج۔ اس کا بندھن بغیر کسی دلیل کے توڑ دیا گیا۔ اور پھر اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر سب الگ الگ مورچوں میں بیٹھ گئے۔ پھر مارشل لا نے دبایا تو انھوں نے قومی اتحاد سے بالکل متغائر قسم کا ایک اتحاد ایم آر ڈی کے نام سے قائم کر لیا۔ اب اس اتحاد کے بندھن بھی ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ اب ان اکابر کے سامنے کوئی دوسرا نقشہ تاحال نہیں ہے۔ ان حضرات نے اپنے قد کو خود چھوٹا کیا ہے اور عوام کی نگاہیں جو کبھی ان پر مرتکز تھیں، بکھر گئی ہیں۔ سوچیے کہ جہاں قائدین کا یہ کردار ہو وہاں وہ کیا کارنامے دکھا سکتے ہیں۔ کوئی شخص تو ایسا ہوتا جو کسی ایک ہی موقف پر ہر قسم کے مزاحمانہ حالات میں جما کھڑا رہتا۔ اب ایسے لیڈر جو نہ ثبات دکھا سکیں، نہ معقول طرز کا کوئی اتحاد قائم کر کے اُسے نبھا سکیں، ان کی خدمات سے قوم کو آزمائش کے لمحات میں کیا امداد ملے گی۔

نوبت بایں جا رسید کہ سابق معرکہ ہائے سیاست کے نامور لیڈر جو آج جگہ جگہ "مجروح" پڑے ہیں۔ وہ بھی آپس میں خیر سگالی تک کا جذبہ نہیں رکھتے۔ اور نہ سیاست کُش اور جمہوریت شکن صورتِ حالات کے بارے میں کوئی متفقہ تعمیری نقطۂ نظر بنا سکتے ہیں۔ اس "بے ہمگی" نے ان کی وقعت کو اور بھی گھٹا دیا ہے۔

کیا یہ فضا دفاعی نقطۂ نظر سے اچھی فضا ہے؟

---

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ایک اور پہلو پر غور کیجیے۔

نوّے دن کے اندر انتخابات کرانے کا اعلان کرنے والی حکومت نے جس عملِ تطہیر کے لیے سات سال گذار دیے ہیں اُس کا سوائے سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کے اسٹیج سے گم ہوجانے کے، اور کوئی نتیجۂ خیر پیدا نہیں ہوسکا۔ یہ انتخابات اگر ایک بار ملتوی ہوئے بھی تھے تو انہیں ایسے موقع پر جلد سے جلد منعقد کرلینا چاہیے تھا جب کہ موجودہ حکمران قوت کی مقبولیت و محبوبیت عروجِ کمال پہ ہوتی، تاہم اس پر بھی اللہ کا شکر کہ اب یہ اُمید دلائی گئی ہے کہ ۸۵ء کے آغاز میں یہ مرحلہ طے ہوجائے گا۔ مگر سارے متعلقہ حقائق ابہام میں ہیں۔ نظام صدارتی ہوگا یا وزارتی؟ جھکاؤ عوامیت کی طرف ہوگا یا آمریت کی طرف؟ "شوریٰ" کیسی کیا ہے؟ کیا شوریٰ پوری طرح نمائندہ ہوگی؟ کیا اس کے فیصلے مؤثر ہوں گے؟ اس کے انتخابات کا طریقہ کیا ہوگا؟ سیاسی جماعتیں کام کرسکیں گی یا نہیں؟ دستور ۷۳ء برقرار رہے گا یا کوئی نیا تجربہ شروع ہوگا؟ اس سارے نظام میں جمہوریت کی رُوح کس حد تک ہوگی؟ مارشل لا بھی ساتھ ساتھ چلے گا یا ختم ہوجائے گا؟ یہ سارے سوالات اپنے جوابوں کی تلاش میں فضا میں بکھرے ہوتے ہیں۔ شہری گومگو کی حالت میں ہیں۔ لوگوں کے لیے آگے کچھ سوچنا ہی ممکن نہیں ہے۔ یہ ذہنی تعطل اتنا طویل ہوگیا ہے کہ اب دم گھٹنے لگا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے اپنی ہی قوم پر پورا اعتماد نہ ہو اور ان سے الگ تھلگ بیٹھ کر خفیہ طور پر نقشے بنائے جارہے ہوں۔ اس طرح کی بے اعتمادی صحت مندانہ سیاسی نشوونما نہیں ہونے دیتی۔

بہتر یہ ہوتا کہ ایک سہ ماہی پیشتر سیاسی لیڈروں کی میٹنگ بلا کر پورا منصوبہ ان کے سامنے رکھ دیا جاتا۔ اور ان کو رائے دہی اور تنقید کا موقع دیا جاتا۔ پھر افہام و تفہیم سے کوئی ایسی متفقہ صورت اختیار کی جاتی کہ جس کی برکت سے اربابِ حکومت اور اصحابِ سیاست کا فاصلہ کم ہوجاتا۔ اس طرح حکومت، سیاسی لیڈر اور عوام ایک لائن میں آجاتے۔ اگر یہ کام پہلے نہیں ہوا تو اب ہوجانا چاہیے۔

آزمائشی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے بہترین صورت یہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دفاع وہی قوم کر سکتی ہے جس میں سیاست زندہ ہو، جس کے سیاسی لیڈر رہنمایاں ہوں اور جس کی سیاسی جماعتیں قوت رکھتی ہوں اور جس میں ذی اختیار نمائندہ ایوان موجود ہوں۔ خطرات کے موقعوں پر جب اقتدار کے پیچھے سیاسی لیڈر اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ صف بستہ ہو کر رائے عام کو مضبوط و متحرک کرتے ہیں اور لوگوں میں ذمہ داری کا شعور و احساس پیدا کرتے ہیں تو اس طرح وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو ٹینکوں، توپوں، میزائیلوں اور ہوائی جہازوں سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے۔

---

اچھی دفاعی قوت کے لیے بہت اچھے نظامِ تعلیم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ایک اچھا نظامِ تعلیم معلومات کے علاوہ صحیح اعتقادی، نظریاتی اور مقصدی شعور بھی دیتا ہے۔ نوجوانوں کو صداقت، دیانت، شجاعت، عدالت اور سخاوت پر مبنی اعلیٰ کردار سے آراستہ کرتا ہے، اور نظریاتی و مقصدی شعور اور اعلیٰ کردار ہی اُن میں سچا جذبۂ دفاع پیدا کرتا ہے۔ اُن میں یہ سوجھ بوجھ پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملہ صرف زمین کی مٹی اور اس کی خاک کی حفاظت ہی کا نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنے عقیدوں، نظریوں، اپنے اعلیٰ مقاصد، اپنی اخلاقی اقدار، اپنے تہذیبی اطوار، اپنی تاریخی روایات، اپنے مخصوص اجتماعی اداروں اور طہارتِ قلب و نظر پر مبنی ثقافتی فنون و مظاہر کی حفاظت بھی کرنی ہے، کسی فاتح کی غلامی میں صدیوں کا یہ قیمتی ورثہ برباد ہو کے رہ جائے گا۔ اور ہمارا ملّی تشخص کرچی کرچی ہو جائے گا۔

ہمارے نظامِ تعلیم نے نصابی کتب میں اس طرح کے مواد کے کچھ متفرق اجزا تو (بغیر کسی ولولہ انگیزی کے) داخل کیے ہیں، مگر ابھی اس نظام میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ متذکرہ بالا انداز پہ ذہن و کردار کو تیار کر سکے۔

پھر ستم یہ کہ اس نظامِ تعلیم کے رگ و پے میں ملحدانہ تہذیب کے ایسے زہریلے نظریات سرایت کیے ہوئے ہیں، جو اسلامی طرزِ فکر کے لیے تباہ کُن ہیں۔ مثلاً نظریہ ارتقاء کو تو ایسے یقین و اذعان اور بغیر کسی تنقید و اختلاف کے ابتدائی درجوں سے لے کر اعلیٰ سطحوں تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



نصابی کتابوں میں داخل کر دیا گیا ہے جیسے وہ خالص الہامی تعلیم ہو اور خدا کے پیغمبر اسے لے کر آتے ہوں ۔ پھر سیاست ، جمہوریت ، سوشلزم ، الہیات ، منطق ، اخلاقیات ، عمرانیات ، جدید نفسیات ، تجزیہ نفس ، نظریہ علم کے مروجہ تصورات استادِ فرنگ سے اخذ کر کے اپنی کتابوں میں اس طرح بلا تنقید جذب کر لیے گئے ہیں کہ برسوں سے ہمارے طبقہ میں مخالفِ اسلام فکر باطلہ کی کسی شاخ کے خلاف کبھی کوئی رد عمل پیدا نہیں ہوا ۔ حالانکہ ہماری ضرورت یہ ہے کہ غیر اسلامی افکار و نظریات کے باغی ہمارے ہاں ابھریں ۔ اور وہ علوم کی تشکیلِ جدید اسلامی ذہن سے کریں ۔

پھر مخلوط تعلیم کی بلا ہم پر مسلط ہے ، حالانکہ مغرب کے جدید ترین مفکرین و مفکرات اس کے نتائج بد کا رونا رو رہے ہیں[1]۔

نظامِ تعلیم کی ٹیڑھ یہ بھی ہے کہ افسر کلاس اور امیر کلاس کے بچوں کے لیے الگ نظامِ تعلیم ہے جہاں انگریزی ذریعہ تعلیم ہے اور عوام کے لیے الگ ۔ یک بام و دو ہوا کا منظر ہے پھر مشنری اسکولوں کی آفت مسلط ہے ۔ اُردو نظامِ تعلیم کے ایوان میں پچھلے بنچوں پر کھڑی ہے گویا تعلیمی لحاظ سے ہم ابھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے ذرا بھی قابل نہیں ہوئے اور اس حالِ زار میں ہمیں زمانے کے کسی خطرناک چیلنج کا کسی بھی وقت جواب دینا پڑ سکتا ہے ۔ مشیت کے تحت تاریخ کے دریا کا مد و جزر کسی کا لحاظ اور انتظار نہیں کرتا ۔

اگر قوت کے سب سے بڑے سرچشمے اور مزاحمتِ اغیار کے لیے سب سے اہم مورچے تعلیم گاہیں ہیں (اور یقیناً ہیں) ، تو ہمارے ماہرینِ تعلیم ، وزراء اور سیکرٹریوں اور استادوں کو تجدید تعلیم کے لیے جلد از جلد بھرپور کاوش کرنی چاہیے ۔

(باقی بر صفحہ ۳۸)

---

[1] ارباب مال و جاہ کی بیگمات کا ایک چھوٹا سا گروپ اپنے معاشرتی مرتبے کے زور سے مخلوط تعلیم بلکہ مخلوط ثقافتی اور تفریحی سرگرمیوں کو پھیلانے میں سرگرمِ عمل ہے ، مگر ملک کی خواتین کی ایک بھاری اکثریت اس روش کے خلاف ہے ۔ مختصر اقلیت کے ذوق اور فکر و روش کو بھاری اکثریت پر مسلط کیے رکھنا اجتماعی قوت کو کم کرنا ہے ۔

© rasailojaraid.com